ڈاکٹر محمد ریاض

علامہ اقبال کا عسکری آہنگ

علامہ اقبال کے 'ترانہ ملی' کے عربی ترجمے[1] کی الجزائری مجاہد، فرانسیسیوں کے خلاف نبرد آزمائی کے دوران بڑے وسیع پیمانے پر رجز خوانی کرتے رہے۔ اس ترانے کا رجزیہ لہجہ بڑا نمایاں ہے۔

تیغوں کے سائے میں ہم پل کر جواں ہوئے ہیں — خنجر ہلال کا ہے قومی نشاں ہمارا
مغرب کی وادیوں میں گونجی اذاں ہماری — تھمتا نہ تھا کسی سے سیل رواں ہمارا
باطل سے دبنے والے اے آسماں نہیں ہم — سو بار کر چکا ہے تو امتحان ہمارا
اے گلستانِ اندلس وہ دن ہیں یاد تجھ کو — تھا تیری ڈالیوں میں جب آشیاں ہمارا
اے موجِ دجلہ تو بھی پہچانتی ہے ہم کو — اب تک ہے تیرا دریا افسانہ خواں ہمارا
اے ارضِ پاک تیری حرمت پہ کٹ مرے ہم — ہے خوں تری رگوں میں اب تک رواں ہمارا

کلامِ اقبال کا عسکری پہلو بڑا نمایاں ہے۔ اقبال شاعرِ زندگی ہیں اور زندگی میں جہاد و قتال کا عمل جاری رہتا ہے۔ ہم جنگ کی آزمائشوں کے دوران اقبال کا پُرجوش کلام سن کر نئے ولولے لیتے ہیں، مگر بعد میں اس آہنگ کی افادیت فراموش کر دیتے ہیں۔ بلکہ بعض نام نہاد نقاد طنزیہ انداز میں شعرِ اقبال کو بگل اور طبل و علم والا کلام بتاتے ہیں، عسکری آہنگ۔ دلیے کا کلام جوشِ ایماں کا مظہر ہے۔ اقبال کا کمال یہ ہے کہ ان کے کلام سے معاشرے کے تمام طبقے بہرہ مند ہوتے اور لطفِ خاص محسوس کرتے ہیں۔ افواج و عساکر کو اس کلام سے بہرہ مند ہونے کا خاص استحقاق ہے اور رہے گا۔ اکتوبر و نومبر ۱۹۳۳ء میں علامہ اقبال افغانستان کے دورے پر گئے، تو کابل میں نادر شاہ افغان کے اشارے پر ایک فوجی دستے نے ان کے

---

[1] مترجم استاذ الفاوی الشعلان۔ ترانہ ملی کے پہلے شعر کا ترجمہ یوں ہے:

الصین لنا والعرب لنا — والهند لنا والکل لنا
اضحی الاسلام لنا دیناً — وجمیع الکونِ لنا وطناً

مشہور فارسی مستزاد 'از خوابِ گراں' کی دُھن پیش کی تھی۔ لوگ اگر فارسی سمجھتے ہوں تو اس مستزاد کے معانی اور اس کی دُھن کی اثر آفرینی ان پر واضح ہوگی۔ ہم اس کے سات بند سے صرف دو بند توجہ دلانے کی خاطر نقل کرتے ہیں:

خاور ہمہ مانندِ غبارِ سرِ راہے است — یک نالۂ خاموش و اثر باختہ آہے است
ہر ذرّہ ایں خاک گرہ خوردہ نگاہے است — از ہند و سمرقند و عراق و ہمداں خیز

از خوابِ گراں، خوابِ گراں، خوابِ گراں خیز
از خوابِ گراں خیز

فریاد ز افرنگ و دلآویزیٔ افرنگ — فریاد ز شیرینی و پرویزیٔ افرنگ
عالم ہمہ ویرانہ ز چنگیزیٔ افرنگ — معمارِ حرم، باز بہ تعمیرِ جہاں خیز

از خوابِ گراں، خوابِ گراں، خوابِ گراں خیز
از خوابِ گراں خیز

اقبال نے 'ترانۂ ملی' کے ایک مصرعے میں مسلمان کی مجاہدانہ زندگی کی پوری تاریخ سمو دی ہے۔ تیغوں کے سایے میں ہم پل کر جواں ہوئے ہیں۔ اقبال مثنوی اسرارِ خودی میں فرماتے ہیں کہ اصلاح یا دفاع کے لیے جہاد ناگزیر ہے مگر اس کا مقصد رضائے الٰہی ہونا چاہیے نہ کہ جوع الارضی۔ نظم "شکوہ" میں اقبال جہاد و قتال کے کیا عمدہ مناظر پیش کرتے ہیں:

تھے ہمیں ایک ترے معرکہ آرائیوں میں — خشکیوں میں کبھی لڑتے، کبھی دریاؤں میں
دیں اذانیں کبھی یورپ کے کلیساؤں میں — کبھی افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں میں
شان آنکھوں میں نہ جچتی تھی جہانداروں کی — کلمہ پڑھتے تھے ہم چھاؤں میں تلواروں کی
ہم جو جیتے تھے تو جنگوں کی مصیبت کے لیے — اور مرتے تھے ترے نام کی عظمت کے لیے
تھی نہ کچھ تیغ زنی اپنی حکومت کے لیے — سر بکف پھرتے تھے کیا دہر میں دولت کے لیے؟
قوم اپنی جو زر و مالِ جہاں پر مرتی — بت فروشی کے عوض بت شکنی کیوں کرتی؟
بُل نہ سکتے تھے اگر جنگ میں اڑ جاتے تھے — پاؤں شیروں کے بھی میداں سے اکھڑ جاتے تھے
تجھ سے سرکش ہوا کوئی تو بگڑ جاتے تھے — تیغ کیا چیز ہے؟ ہم توپ سے لڑ جاتے تھے

نقش توحید کا ہر دل پہ بٹھایا ہم نے ۔۔۔ زیرِ خنجر بھی یہ پیغام سنایا ہم نے
تو ہی کہہ دے کہ اکھاڑا درِ خیبر کس نے ۔۔۔ شہر قیصر کا جو تھا[۵۲] اُس کو کیا سر کس نے؟
توڑے مخلوق خداوندوں کے پیکر کس نے؟ ۔۔۔ کاٹ کے رکھ دیے کفار کے لشکر کس نے؟
کس نے ٹھنڈا کیا آتش کدۂ ایراں کو؟ ۔۔۔ کس نے پھر زندہ کیا تذکرۂ یزداں کو؟

وہ نظم "شمع و شاعر" میں مسلمانوں کو کس قدر مؤثر جذبۂ جہاد دیتے ہیں :

شعلہ بن کے پھونک دے خاشاکِ غیر اللہ کو ۔۔۔ خوفِ باطل کیا کہ ہے غارت گرِ باطل بھی تو
ہفت کشور جس سے ہو تسخیر بے تیغ و تفنگ ۔۔۔ تو اگر سمجھے تو تیرے پاس وہ ساماں بھی ہے

وہ گیارہ سالہ عرب لڑکی فاطمہ بنت عبداللہ کی شہادت پر ۱۹۱۲ء میں بے حد دل گرم ہوئے۔ یہ لڑکی طرابلس میں مسلمان غازیوں کو پانی پلاتے ہوئے شہید ہوئی اور اقبال نے فرمایا :

یہ جہاد اللہ کے رستے میں بے تیغ و سپر ۔۔۔ ہے جسارت آفریں شوقِ شہادت کس قدر
یہ کلی بھی اس گلستانِ خزاں منظر میں تھی ۔۔۔ ایسی چنگاری بھی یا رب اپنی خاکستر میں تھی

"جوابِ شکوہ" کا یہ شعر کس قدر رجز آفریں ہے :

کیوں ہراساں ہے صہیلِ فرسِ اعدا سے ۔۔۔ نورِ حق بجھ نہ سکے گا نفسِ اعدا سے

اقبال معرکۂ خیر و شر کو ایک بدیہی اور تقاضائے فطرت کا عمل بتلاتے ہیں :

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز ۔۔۔ چراغِ مصطفویؐ سے شرارِ بولہبی[۵۳]
نہالِ ترک ز برقِ فرنگ بار آورد ۔۔۔ ظہورِ مصطفویؐ را بہانہ بولہبی است[۵۴]
نہ ستیزہ گاہ جہاں نئی نہ حریفِ پنجہ فگن نئے ۔۔۔ وہی فطرتِ اسد اللّٰہی، وہی مرحبی وہی عنتری[۵۵]

اقبال کا مردِ مومن یا مردِ فقیر، حقیقت میں ایک سپاہی اور مجاہد ہے۔ وہ اپنی نگاہ یا شمشیر سے مخالفوں کو زیرِ اثر کر لیتا ہے۔ اقبال کے مردِ مجاہد کے سامنے بادشاہ بھی ہیچ ہیں۔ چند اشعار نقل کرتے ہیں :

---

[۵۲] یعنی قسطنطنیہ (استنبول)

[۵۳] ارتقا (بانگ درا)

[۵۴] پیامِ مشرق (مئے باقی)

۵۵

[۵۵] میں اور تو (بانگِ درا)

نہیں فقر و سلطنت میں کوئی امتیاز ایسا — یہ سپہ کی تیغ بازی وہ نگہ کی تیغ بازی
فقر کے ہیں معجزات تاج و سریر و سپاہ — فقر ہے میروں کا میر، فقر ہے شاہوں کا شاہ
چڑھتی ہے جب فقر کی سان پہ تیغ خودی — ایک سپاہی کی ضرب کرتی ہے کار سپاہ
دارا و سکندر سے وہ مردِ فقیر اولیٰ — ہو جس کی فقیری میں بوئے اسد اللّٰہیؓ
آئینِ جوانمرداں، حق گوئی و بے باکی — اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی
نہ تخت و تاج میں، نے لشکر و سپاہ میں ہے — جو بات مردِ قلندر کی بارگاہ میں ہے

اقبال اپنے عسکری لہجے میں مسلمانوں کی عظیم جنگوں اور مسلمان جنگجوؤں کے کارنامے سموتے ہیں تاکہ اس عصر کے مسلمان بھی "فقرِ غیور" کی اہمیت محسوس کریں:

فقر قرآن احتساب ہست و بود — نے رباب و مستی و رقص و سرود
فقر چوں عریاں شود زیرِ سپہر — از نہیب او بلرزد ماہ و مہر
فقر را تا ذوقِ عریانی نماند — آں جلال اندر مسلمانی نماند

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر دوامِ جہاد کے بارے میں فرمایا تھا "میری امت میں جہاد قیامت تک جاری رہے گا، نہ کسی عادل کا عدل اسے ختم کر سکے گا نہ کسی ظالم کا ظلم"[۵۶] جہاد دست و بازو اور قلم و زبان سے ہر طرح ممکن ہے اور اس کے کئی مدارج ہیں۔ اقبال مشہور مسلمان سپہ سالاروں جیسے حضرت علیؓ، حضرت خالدؓ بن ولید، طارق بن زیاد، محمود غزنوی اور سلطان ٹیپو کے حوالے سے مسلمانوں میں عسکری روح پیدا کرنے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ حضرت علیؓ علم و فضل کے اعتبار سے "باب مدینہ نبیؐ" تھے مگر علم و فضل کے اس اعلیٰ مرتبے کے باوجود وہ اسد اللہ الغالب، حیدر کرار اور فاتح خیبر بھی تھے۔ اقبال کئی مواقع پر حضرت علیؓ کی اس شانِ کراری سے استناد کرتے ہیں اور بزدل بنا دینے والے اور نری موشگافیاں سکھانے والے علم سے پناہ مانگتے ہیں۔ ذیل کے اشعار میں بے نظیر نکتے ملتے ہیں:

من آں علم و فراست با پرکاہی نمی بینم — کہ از تیغ و سپر بیگانہ سازد مردِ غازی را
بہر نرخی کہ ایں کالا بگیری سودمند افتد — بزورِ بازوئے حیدرؓ بدہ ادراکِ رازی را[۵۷]

---

۵۶ سیرت سرورِ عالمؐ جلد اول از سید ابوالاعلیٰ مودودی، ص ۴۵۳
۵۷ زبورِ عجم

می شناسی معنیٔ کرار چیست ؟ — این مقامے از مقاماتِ علیؓ است
امتاں را در جہانِ بے ثبات — نیست ممکن جز بکرّاری حیات[۵۵]

میرے لیے ہے فقط زورِ حیدریؓ کافی — نصیب ترے فلاطوں کی تیزیٔ ادراک
جسے نانِ جویں بخشی ہے تو نے — اسے بازوئے حیدر بھی عطا کر[۵۹]
تری خاک میں ہے اگر شرر تو خیالِ فقر و غنا نہ کر — کہ جہاں میں نانِ شعیر پر ہے مدارِ قوتِ حیدریؓ[۶۰]

عشق با نانِ جویں خیبر کشاد — عشق در اندامِ مہ چاکے نہاد[۶۱]
گلستانے ز خاکِ من بر انگیز — نمِ چشمم بخونِ لالہ آمیز
اگر شایاں نیم تیغ علیؓ را — نگاہے دل چو شمشیرِ علیؓ تیز[۶۲]

سیف اللہ حضرت خالد بن ولید کا ذکر بھی اقبال کے ہاں کئی مواقع پر آیا ہے۔ ایک مقام پر اقبال ان کے حوالے سے مسئلۂ جبر و قدر پر بحث کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ اطاعتِ کامل سے انسان کی قوتِ اختیار میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت خالد بن ولید کو کسی جنگ میں شکست نہیں ہوئی اور انھوں نے کبھی اپنی مجبوری و بے چارگی کا شکوہ نہیں کیا۔ دراصل جو مردِ مومن امرِ خداوندی کا مطیع ہو، تقدیر اس کی تدبیر بن جاتی ہے :

ہر کہ از تقدیر دارد ساز و برگ — لرزہ از نیروئے او ابلیس و مرگ
جبر دین مرد صاحب ہمت است — جبرِ مرداں از کمالِ قوت است
پختہ مردے پختہ تر گردد ز جبر — جبرِ مردِ خام را آغوشِ قبر
جبرِ خالدؓ عالمے برہم زند — جبرِ ما بیخ و بنِ ما برکند
کارِ مرداں است تسلیم و رضا — بر ضعیفاں راست ناید ایں قبا[۶۳]

ترے دریا میں طوفاں کیوں نہیں ہے؟ — خودی تیری مسلماں کیوں نہیں ہے
عبث ہے شکوۂ تقدیرِ یزداں — تو خود تقدیرِ یزداں کیوں نہیں ہے؟[۶۴]

---

۵۵ مثنوی مسافر ۵۹ بالِ جبریل ۶۰ بانگِ درا ۶۱ جاوید نامہ، شرح اسرارِ معراج
۶۲ ارمغانِ حجاز، حضورِ رسالت مآبؐ ۶۳ جاوید نامہ، فلکِ مشتری ۶۴ ارمغانِ حجاز

طارقؒ بن زیاد، سلطان محمود غزنویؒ اور سلطان ٹیپو شہیدؒ وغیرہم کا ذکر اقبال کے ہاں جوشِ جہاد، اسلام کی عالمگیریت، شوقِ شہادت اور مبارزانہ منہاج کے سیاق میں ملتا ہے۔ صرف چند اشعار نقل کیے جاتے ہیں:

طارق چو برکنارۂ اندلس سفینہ سوخت   گفتند کارِ تو بنگاہِ خرد خطا ست
دوریم از سوادِ وطن باز چون رسیم ؟   ترکِ سبب ز روئے شریعت کجا رواست؟
خندید و دستِ خویش بہ شمشیر برد و گفت   ہر ملک ملکِ ماست کہ ملکِ خدائے ماست

یہ غازی یہ تیرے پراسرار بندے   جنھیں تو نے بخشا ہے ذوقِ خدائی
دو نیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا   سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی
دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو   عجب چیز ہے لذتِ آشنائی
شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن   نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی . . .
کشادِ درِ دل سمجھتے ہیں اس کو   ہلاکت نہیں موت ان کی نظر میں
دلِ مردِ مومن میں پھر زندہ کر دے   وہ بجلی کہ تھی نعرۂ "لاتذر" میں
عزائم کو سینوں میں بیدار کر دے   نگاہِ مسلماں کو تلوار کر دے

کیا نہیں اور غزنوی کارگہِ حیات میں   بیٹھے ہیں کب سے منتظر اہلِ حرم کے سومنات

گنبدے در طوفِ او چرخِ بریں   تربتِ سلطان محمود است ایں
برقِ سوزاں تیغِ بے زنہارِ او   دشت و در لرزندہ از یلغارِ او
زیرِ گردوں آیتِ اللہ را بیتش   قدسیاں قرآن سرا بر تربتش

اقبال اپنے عسکری لہجے میں ایک درویش اور جسور پرندے "شاہین" کی مثال دیتے ہیں اور اس کی زبانی حکمتِ جہاد و مبارزہ واضح کرتے ہیں مثلاً :

عقابی روح جب بیدار ہوتی ہے جوانوں میں   نظر آتی ہے اس کو اپنی منزل آسمانوں میں
نہیں تیرا نشیمن قصرِ سلطانی کے گنبد پر   تو شاہیں ہے بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں میں

ہوائے بیاباں سے ہوتی ہے کاری   جواں مرد کی ضربِ غازیانہ
جھپٹنا پلٹنا پلٹ کر جھپٹنا   لہو گرم رکھنے کا ہے اک بہانہ

تو دانی کہ بازاں ز یک جوہر اند   دلِ شیر دارند و مشتِ پرانہ

نکو شیوہ و پختہ تدبیر باش جسور و غیور و کلاں گیر باش

فارسی کے یہاں متعدد اشعار "پند باز بہ بچۂ خویش" گویا عسکری لائحہ عمل ہیں۔ ایک دوسری میں شاہین نے ماہی (مچھلی) کو جو جواب دیا، اس کا ایک مصرع پاکستان ایئر فورس نے اپنا "سمبل" رکھا ہے :

زد بانگ کہ شاہینم و کارم بہ زمین چیست صحراست کہ دریاست تہ بال و پر ماست
بگذر ز سر آب و بہ پہنائے ہوا ساز ایں نکتہ نبیند مگر آں دیدہ کہ بیناست[۱۵]

علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ مسلمان حق کے علم بردار ہیں اور خالص توحید اب ان ہی کی میراث ہے۔ لہٰذا نکتۂ توحید" کی مشکلات[۱۶] توجیہ طلب نہیں۔ انھیں حق و باطل کی آویزش کی لذت سے آگاہ ہونا چاہیے :

بیاں میں نکتۂ توحید آ تو سکتا ہے ترے دماغ میں بت خانہ ہو تو کیا کہیے
جہاں میں بندۂ حر کے مشاہدات ہیں کیا تری نگاہ غلامانہ ہو تو کیا کہیے
سرور جو حق و باطل کی کارزار میں ہے تو حرب و ضرب سے بیگانہ ہو تو کیا کہیے
کوہ شگاف تیری ضرب، تجھ سے کشاد شرق و غرب تیغ ہلال کی طرح عیش نیام سے گزر[۱۷]

"ضرب کلیم" کو اقبال نے "اعلان جنگ دور حاضر کے خلاف" کا عنوان دیا ہے۔ اس کا سرنامہ کس قدر حماسہ نما ہے :

جب تک نہ زندگی کے حقایق پہ ہو نظر تیرا زجاج ہو نہ سکے گا حریف سنگ
یہ زور دست و ضربت کاری کا ہے مقام میدان جنگ میں نہ طلب کر نوائے چنگ
خون دل و جگر سے ہے سرمایۂ حیات فطرت "لہو ترنگ" ہے غافل، نہ جل ترنگ'

قطعہ "جہاد" میں وہ اہل یورپ پر طنز کرتے ہیں کہ خود تو وہ غرق اسلحہ ہو رہے ہیں مگر اسلام کے تصور جہاد کو وہ ایک فرسودہ بات قرار دے رہے ہیں :

---

۱۵ پیام مشرق
۱۶ چو می گویم مسلمانم بلرزم کہ دانم مشکلات لا الٰہ را (ارمغان حجاز)
۱۷ ضرب کلیم (نکتہ توحید) اور بال جبریل (غزل ۵ حصہ دوم)

تعلیم اس کو چاہیے ترکِ جہاد کی — دنیا کو جس کے پنجۂ خونیں سے ہو خطر
باطل کے خال و فر کی حفاظت کے واسطے — یورپ زرہ میں ڈوب گیا دوش تا کمر
ہم پوچھتے ہیں شیخِ کلیسا نواز سے — مشرق میں جنگ شر ہے تو مغرب میں بھی ہے شر
حق سے اگر غرض ہے تو زیبا ہے کیا یہ بات — اسلام کا محاسبہ یورپ سے درگزر

اقبال توحید کے عملی تقاضوں پر توجہ دلاتے رہے ہیں۔ "توحید" کے منجملہ تقاضوں میں سے دو یہ ہیں کہ مسلمان فکر کے علاوہ عمل اور پالیسی میں بھی متحد ہوں اور ماسوا اللہ سے بے خوفی اُن کا شعار ہو۔ ذیل کا قطعہ "توحید" بھی ضربِ کلیم میں ہے:

زندہ قوت تھی جہاں میں یہی توحید کبھی — آج کیا ہے؟ فقط اک مسئلۂ علم کلام
روشن اس ضو سے اگر ظلمتِ کردار نہ ہو — خود مسلماں سے ہے پوشیدہ مسلماں کا مقام
میں نے اے میرِ سپہ، تیری سپہ دیکھی ہے — قل ھو اللہ کی شمشیر سے خالی ہیں نیام[۵۱۸]
آہ، اس راز سے واقف ہے نہ ملّا نہ فقیہ — وحدتِ افکار کی بے وحدتِ کردار ہے خام
قوم کیا چیز ہے قوموں کی امامت کیا ہے — اس کو کیا سمجھیں یہ بے چارے دو رکعت کے امام

"بالِ جبریل" کی ایک غزل کے بعض اشعار بھی عسکری تفکر کے آئینہ دار ہیں:

میرِ سپاہ ناسزا، لشکریاں شکستہ صف — آہ وہ تیرِ نیم کش، جس کا نہ ہو کوئی ہدف
صحبتِ پیرِ روم سے مجھ پہ ہوا یہ راز فاش — لاکھ حکیم سر بجیب، ایک کلیم سر بکف
مثلِ کلیم ہو اگر معرکہ آزما کوئی — اب بھی درختِ طور سے آتی ہے بانگِ "لا تخف"[۵۱۹]

اقبال کے نزدیک ملتِ اسلامیہ کی کامیابی کا راز اس بات میں مضمر ہے کہ وہ ایمانِ کامل، عشق و مستی اور فکرِ غیور کی متاع سے مالا مال ہو:

خرقۂ "لا تحزنوا" اندر برش — "انتم الاعلون" تاجے بر سرش[۵۲۰]

---

۵۱۸ قل ھو اللہ (سورہ توحید یا اخلاص کے ابتدائی کلمات) یعنی توحید

۵۱۹ قرآن مجید ۲۰/۶۸ : فلنا لا تخف انک انت الاعلی

۵۲۰ ایضاً ۱۳۹ : ۳ : ولا تھنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مومنین

خوار جہاں میں کبھی ہو نہیں سکتی وہ قوم — عشق ہو جس کا جسور، فقر ہو جس کا غیور[۲۱]

وہ دراصل سراپا عمل انسانوں کے جویا تھے اور ایسے انسان مجاہدین و مبارزین میں ہی مل سکتے ہیں:

مجاہدانہ حرارت رہی نہ صوفی میں — بہانہ بے عملی کا بنی شراب "الست"

فقیہِ شہر بھی رہبانیت پہ ہے مجبور — کہ معرکے ہیں شریعت کے جنگِ دست بدست

گریز کشمکشِ زندگی سے مردوں کی — اگر شکست نہیں ہے تو اور کیا ہے شکست؟[۲۲]

قطعہ "مستیِ کردار" میں وہ صوفی، ملّا اور شاعر سب کو ناقابلِ عمل قرار دیتے ہیں:

صوفی کی طریقت میں فقط مستیِ احوال — ملّا کی شریعت میں فقط مستیِ گفتار

شاعر کی نوا مردہ و افسردہ و بے ذوق — افکار میں سرمست، نہ خوابیدہ نہ بیدار

وہ مردِ مجاہد نظر آتا نہیں مجھ کو — ہو جس کے رگ و پے میں فقط مستیِ کردار[۲۳]

ذیل کا شعر ایسے معلوم ہوتا ہے کسی بحری حکمتِ عملی کے ماہر نے لکھا ہے:

خبر ملی ہے خدایانِ بحر و بر سے مجھے — فرنگ رہگذرِ سیلِ بے پناہ میں ہے[۲۴]

اقبال کو جنگ و جہاد میں مادی وسائل کی اہمیت سے انکار نہیں، مگر قوتِ ایمان ان کے نزدیک زیادہ اساسی اہمیت رکھتی ہے کیوں کہ اگر سینے میں "دلِ بیدار" نہ ہو تو وسائل سے کچھ نہیں بن پڑتا۔

اس قوم کو شمشیر کی حاجت نہیں رہتی — ہو جس کے جوانوں کی خودی صورتِ فولاد

کافر ہے مسلماں[۲۵]، تو نہ شاہی نہ فقیری — مومن ہے تو کرتا ہے فقیری میں بھی شاہی

کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسا — مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

مومن ہے تو ہے تابعِ تقدیرِ مسلماں — مومن ہے تو وہ آپ ہے تقدیرِ الٰہی[۲۶]

کلامِ اقبال کے "عسکری آہنگ" کے بارے میں یہ چند اشارے قلم برداشتہ لکھے گئے۔ علامہ اقبال کو بھی اپنی شاعری کے اس پہلو کا احساس تھا، جبھی وہ سپاہی یا امیرِ جنود نہ ہوتے ہوئے بھی (ضربِ کلیم میں)

---

۲۱ رموزِ بے خودی، ضربِ کلیم (غزل)

۲۲، ۲۳ ضربِ کلیم

۲۴ بالِ جبریل

۲۵ یعنی نام نہاد مسلمان

۲۶ ضربِ کلیم، بالِ جبریل

اپنے صاحبِ مبارزہ ہونے پر فخر کرتے ہیں اور اس فخر کو ہم بجا کہیں گے :

مقابلہ تو زمانے کا خوب کرتا ہوں　　اگرچہ میں نہ سپاہی ہوں، نے امیرِ جنود

عساکرِ پاکستان نے اپنا شعار "ایمان، تقویٰ اور جہاد فی سبیل اللہ" بنایا ہے اور اقبال کے کلام کا کافی حصہ ان ہی امور کا مبیّن ہے۔ عسکری اصلاحات اور تلازمات کی بھی حضرت دانائے راز کے ہاں فراوانی ہے اور کیوں نہ ہو، انھوں نے دینِ اسلام کو "فقرِ غیور" کے طور پر متعارف کروایا ہے :

روحِ اسلام کی ہے نورِ خودی، نارِ خودی　　زندگانی کے لیے نارِ خودی نور و حضور

یہی ہر چیز کی تقویم، یہی اصلِ نمود　　گرچہ اس روح کو فطرت نے رکھا ہے مستور

لفظ "اسلام" سے یورپ کو اگر کد ہے تو خیر　　دوسرا نام اس دین کا ہے "فقرِ غیور"[۵۲۷]

پاکستانی زبانوں میں پشتو غالباً "مارشل شاعری" کے اعتبار سے ممتاز ہے۔ علامہ اقبال افسوس کرتے تھے کہ وہ پشتو نہیں جانتے ورنہ وہ پشتو مارشل آہنگ کو اردو یا فارسی میں منتقل کرتے۔ خوش حال خان خٹک (وفات ۱۱۰۰ھ - ۱۶۸۹ء) کی شاعری کے انگریزی تراجم سے انھوں نے استفادہ کیا اور اس کی لَے کو "جاوید نامہ" (آں سوئے افلاک) اور "بالِ جبریل" میں سمویا[۵۲۸]۔ اس مبارز شاعر کے بارے میں انھوں نے ایک مقالہ بھی لکھا تھا جو سہ ماہی اسلامک کلچر، مطبوعہ حیدر آباد دکن کی مئی ۱۹۲۸ء کی اشاعت میں شامل تھا[۵۲۹]۔ "ضربِ کلیم" کے آخر میں انھوں نے محراب گل افغان کے فرضی نام سے بیس قطعے لکھے جو پشتو مارشل آہنگ سے ماخوذ ہیں۔ ان قطعات کے کئی اشعار عسکری آہنگ کے آئینہ دار ہیں۔ ان کے ایک انتخاب پر ہم اس مختصر بحث کو ختم کر دیتے ہیں :

---

۵۲۷ ضربِ کلیم : قطعۂ اسلام۔ اس سے قبل کے قطعے "فقر و ملوکیت" میں ہے :

فقر جنگاہ میں بے ساز و براق آتا ہے　　ضرب کاری ہے اگر سینے میں ہے قلبِ سلیم

اس کی بڑھتی ہوئی بے باکی و بے تابی سے　　تازہ ہر عہد میں ہے قصۂ فرعون و کلیم

۵۲۸ جاوید نامہ، گفتگوئے احمد شاہ ابدالی با زندہ رود۔ بالِ جبریل : خوش حال خان کی وصیت

۵۲۹ متن دیکھیں مثلاً سید عبدالواحد معینی کے مرتبہ : تھاٹس اینڈ ریفلکشنز آف اقبال (لاہور، طبع ثانی ۱۹۷۳ء) صفحہ ۱۲۸ تا ۱۴۳

Khushhal Khan Khattak, The Afghan Warrior-poet

باز نہ ہوگا کبھی بندۂ کبک و حمام ۔۔۔ حفظِ بدن کے لیے روح کو کردوں ہلاک
اے مرے فقرِ غیور فیصلہ تیرا ہے کیا ۔۔۔ خلعتِ انگریز یا پیرہنِ چاک چاک

محرمِ خودی سے جس دم ہوا فقر ۔۔۔ تو بھی شہنشاہ ، میں بھی شہنشاہ
قوموں کی تقدیر وہ مردِ درویش ۔۔۔ جس نے نہ ڈھونڈی ، سلطان کی بارگاہ

زاغ کہتا ہے نہایت بدنما ہیں تیرے پر ۔۔۔ شپرک کہتی ہے تجھ کو کور چشم و بے ہنر
لیکن اے شہباز یہ مرغانِ صحرا کے اچھوت ۔۔۔ ہیں فضائے نیلگوں کے پیچ و خم سے بے خبر
ان کو کیا معلوم اس طائر کے احوال و مقام ۔۔۔ روح ہے جس کی دمِ پرواز سرتا پا نظر

وہی جواں ہے قبیلے کی آنکھ کا تارا ۔۔۔ شباب جس کا ہے بے داغ، ضرب ہے کاری
اگر ہو جنگ تو شیرانِ غاب سے بڑھ کر ۔۔۔ اگر ہو صلح تو رعنا غزالِ تاتاری
عجب نہیں اگر اس کا سوز ہے ہمہ سوز ۔۔۔ کہ نیستاں کے لیے بس ہے ایک چنگاری
خدا نے اس کو دیا ہے شکوہِ سلطانی ۔۔۔ کہ اس کے فقر میں ہے حیدری و کراری
نگاہِ کم سے نہ دیکھ اس کی بے کلاہی کو ۔۔۔ یہ بے کلاہ ہے سرمایۂ کلہ داری

کر سکتی ہے بے معرکہ جینے کی تلافی ۔۔۔ اے پیرِ حرم تیری مناجاتِ سحر کیا ؟
ممکن نہیں تخلیقِ خودی خانقہوں سے ۔۔۔ اس شعلۂ نم خوردہ سے ٹوٹے گا شرر کیا ؟

فولاد کہاں رہتا ہے شمشیر کے لائق ۔۔۔ پیدا ہو اگر اس کی طبیعت میں حریری
خود دار نہ ہو فقر تو ہے قہرِ الٰہی ۔۔۔ ہو صاحبِ غیرت تو ہے تمہیدِ امیری
افرنگ ز خود بے خبرت کرد وگرنہ ۔۔۔ اے بندۂ مومن تو بشیری ، تو نذیری

اس دور میں بھی مردِ خدا کو ہے میسر ۔۔۔ جو معجزہ پربت کو بنا سکتا ہے رائی
در معرکہ بے سوز تو ذوقے نتواں یافت ۔۔۔ اے بندۂ مومن تو کجائی ؟ تو کجائی ؟
خورشید، سراپردۂ مشرق سے نکل کر ۔۔۔ پہنا مرے کہسار کو ملبوسِ حنائی

یہ نیلگوں فضا جسے کہتے ہیں آسماں ۔۔۔ ہمت ہو پرکشا تو حقیقت میں کچھ نہیں
بالائے سر رہا تو ہے نام اس کا آسماں ۔۔۔ زیرِ پر آگیا تو یہی آسماں ، زمیں

عقلیات ابنِ تیمیہ

مولانا محمد حنیف ندوی

غزالیؒ کے بعد علامہ ابن تیمیہؒ دوسرے شخص ہیں جنھوں نے اسلام کے نظامِ حیات کا اس دِقتِ نظر سے جائزہ لیا ہے اور بتایا ہے کہ تفسیر، حدیث، تصوّف اور فقہ و اصول کی تشریح میں ہمیں کن پیمانوں سے کام لینا چاہیے۔ علامہ کی پوری زندگی الحاد و زندقہ کے خلاف جہاد میں بسر ہوئی۔ چنانچہ انھوں نے جس کامیابی و ہنرمندی کے ساتھ کتاب و سنت کے رخِ زیبا کو نکھارا ہے، بدعات کی پرزور تردید کی ہے اور اسلام کے چہرۂ روشن سے یونانیت اور عجمیت کے دبیز نقابوں کو ہٹایا ہے، یہ انہی کا حصہ ہے۔ ان کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے اپنے زمانے کے "عقلیات" کو بہ کمال ژرف نگاہی کھنگالا ہے اور تنقید و احتساب کے بعد ثابت کیا ہے کہ ان کے مقابلے میں اسلام کا عقلی موقف کہیں زیادہ صحیح، استوار اور متوازن ہے۔ اس کتاب کا موضوع ان کی یہی گراں قدر تنقیدات ہیں۔

صفحات ۳۵۹		قیمت ۱۸ روپے

بیدل

خواجہ عباد اللہ اختر

ابو المعانی مرزا عبدالقادر وہ بلند پایہ شخصیت ہیں جنھیں مرزا غالب اور علامہ اقبالؒ "مرشدِ کامل" کہتے ہیں۔ تذکرہ نویسوں نے بھی دادِ سخن دی ہے۔ ان کا نظیر متقدمین میں چند ہستیاں ہیں، متاخرین میں ان کا مثل بمشکل پیدا ہوگا۔

یہ کتاب فاضل مصنف کے چالیس سالہ مطالعے اور تحقیق کا ماحصل ہے اور بیدل کے کلام کی ایک بے مثال جھلک پیش کرتی ہے۔

صفحات ۴۷۹		قیمت ۱۵ روپے

ملنے کا پتا: ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور